تاریخ ادبِ اُردو کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر شازیہ نسیم

Dr. Shazia Naseem

ڈاکٹر محمد وسیم انجم

Dr. Muhammad Waseem Anjum
Head of Urdu Department
Federal Urdu University For Arts, Science and Technology, Islamabad.

Abstract:

Dr. Jamil Jalibi is an important name in Urdu literature. Properties do not maintain their status as critics, historians, researchers, teachers and critics writer. They have uniquely completed the quality of research and criticism. Especially his book "History literature Urdu" is a very important book. The study of this book only does not know the history of Urdu, but the doors of culture, politics, religion and literature are opened. That's why, when interested in literature, when they study this book, not only the literary people go to know Urdu, but also from the evolutionary phase of politics, religion, culture.

Dr. Jamil Jalibi, "History Literature Urdu" is writing under a project. If four volumes of this book are studied, it seems that Dr. Jamil Jalibi is not only interested in the statement of literature history but also related literature to religion, civilization and culture. However, his book "History literature Urdu" is an important research and critique book in Urdu literature.

ڈاکٹر جمیل جالبی اُردو ادب میں ایک اہم نام ہے۔ موصوف نقاد، مؤرخ، محقق، مرتب اور اُستاد کی حیثیت سے اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کے جتنے بھی کام ہیں وہ تحقیق اور تنقید کے معیار پر منفرد ہیں۔ خصوصاً ان کی کتاب ”تاریخِ ادب اُردو“ بہت ہی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے صرف ادبِ اُردو کی تاریخ معلوم نہیں ہوتی بلکہ ثقافت، سیاست، مذب اور ادب کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے ادب سے دلچسپی رکھنے والے جب ان کی اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ نہ صرف ادبیاتِ اُردو سے واقف ہوتے چلے جاتے ہیں بلکہ زمانی اعتبار سے سیاست، مذہب، ثقافت

کے ارتقائی مراحل سے بھی آشنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف اپنی کتاب کی جلد اوّل کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''میرا یہ کام جسے میں ''تاریخِ ادب اُردو'' کا نام دیا ہے۔ چار جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے جو آغاز سے لے کر تقریباً ۱۷۵۰ء تک قدیم اُردو زبان و ادب کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ جلد اپنی جگہ مکمل بھی ہے اور دوسری جلد سے مربوط و پیوستہ بھی۔ واضح رہے کہ یہ جدید انداز کی مربوط تاریخ ہے۔ متفرق مقالات کا مجموعہ یا تذکرہ نہیں ہے۔''(۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے واضح کر دیا ہے کہ وہ ''تاریخِ ادب اُردو'' ایک منصوبے کے تحت لکھ رہے ہیں۔ محض مقالات کو جمع نہیں کر دیا گیا۔ اس میں زمانی ترتیب موجود ہے۔ یعنی پہلی جلد ۱۷۵۷ء کے حالات، واقعات اور ادبی کاوشوں کا جائزہ لیتی ہے۔ جب کوئی کام ایک منصوبے کے تحت کیا جاتا ہے تو وہ جب پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے تو وہ اس میں معلوم اور نامعلوم معلومات کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پہلی جلد میں ہی برصغیر پاک و ہند کے ۱۷۵۰ء تک کے کلچرل، تہذیبی، مذہبی اور ادبی واقعات کو نہ صرف تحقیقی نقطہ نظر سے بیان کیا ہے بلکہ ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالتے گئے ہیں۔ جہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف نہ صرف ادب کی تاریخ کے بیان میں دلچسپی رکھتے تھے بلکہ ادب کو مذہب، تہذیب اور ثقافت سے بھی منسلک سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا سرمایہ اُردو ادب میں بہت زیادہ ہے۔ اگر ڈاکٹر جمیل جالبی اور کچھ نہ کرتے تو تاریخ ادبِ اُردو ہی انھیں دوام بخشنے کے لیے کافی تھی۔ ڈاکٹر موصوف کو کتاب مذکورہ ترتیب دیتے وقت بہت سی پریشانیوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے دیباچہ میں ان تمام مسائل سے بحث کی ہے جو انھیں لاحق تھے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''تاریخ ادب ادارے لکھتے ہیں، جن کے پاس سرمایہ ہوتا ہے جنھیں ہر قسم کی سہولت میسر ہوتی ہے، جن کے پاس اپنا کتب خانہ ہوتا ہے اور دوسرے کتب خانوں سے وہ قلمی و مطبوعہ کتب مستعار لے سکتے ہیں۔ مددگاروں کی ایک جماعت اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ وہاں صدر ہوتے ہیں، سیکرٹری ہوتے ہیں، مشاہیر علم و ادب کام کرتے ہیں اور کہیں برسوں میں جا کر یہ منصوبہ پورا ہوتا ہے۔ لیکن مجھے اس قسم کی کوئی سہولت میسر نہیں تھی۔ دن بھر گردش روزگار اور پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے مشقت کی چکی، نہ کوئی مددگار، نہ کوئی ساتھی، ایک ایک کتاب کے لیے مختلف کتب خانوں کے چکر کاٹنے پڑتے۔''(۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیالات سے اہل نظر یقیناً ان کی محنت شاقہ تک پہنچ گئے ہوں گے۔ یہاں پر ایک اہم نکتہ

بھی سامنے آتا ہے کہ کام کرنے والے مشکل ترین کام کو بھی انجام دے کر ہی دم لیتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی وہ کام سرانجام دیا جو واقعتاً مشکل تھا۔ ڈاکٹر موصوف کا ادبی سرمایہ زبان و ادب کے ساتھ ہے اور ادب کسی بھی قوم کا سرمایۂ حیات اور سرمایہ اذہان ہوتا ہے۔ عام مورخ جب تاریخ لکھتے ہیں تو محض واقعات کی جمع آوری تک محدود رہتے ہیں۔ واقعات کسی بھی قوم کے ظاہری افعال تک محدود ہوتے ہیں۔ اِن واقعات سے کسی بھی قوم کے کلچر، مذہب اور معاشرت کا کم ہی احساس ہوتا ہے۔ یوں یہ واقعات تاریخ کی تعریف پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ تاریخ تو درحقیقت واقعات سے بھی بالا چیز ہے۔ ابن خلدون نے تاریخ کو واقعات سے زیادہ تہذیب و کلچر کا عکاس قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی ادبی تاریخ میں ان عوامل کا بھرپور انداز میں احاطہ کیا ہے۔ اِن کا ذہن ذرخیز اور تخلیقی تھا۔ اِن کا کام یہ ہے کہ وہ تحقیق، تنقید اور تخلیق کا بھی بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ وہ ایک پورے ادارے کی طرح عوامل اور عناصر کا تجزیہ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ”قدیم ادب انہی اثرات اور روایات کے اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے اور قدیم روایت کی لہروں کا پیچ و تاب انہی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ مردہ یا ناکارہ روایت کو چھوڑ کر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق زندہ طرزِ احساس کو اپنانا ہمیشہ سے تخلیقی ذہنوں کا شیوہ رہا ہے۔ یہ یوں ہی ہوتا آیا ہے اور یونہی ہوتا رہے گا۔“(۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ادب کی تاریخ نہیں لکھ رہے تھے بلکہ وہ ان اثرات اور روایات کو بھی بیان کر رہے تھے جو تخلیقِ ادب میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس میں وہ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ روایات جب مردہ ہو جائیں اور عصرِ حاضر کا ساتھ نہ دے رہی ہوں تو ان کو چھوڑ دینا چاہیے اور زندہ طرز احساس اپنانا چاہیے۔ روایات اور اثرات کو بیان کرنا بھی تاریخ کا ایک اہم عنصر ہے۔ روایات اور اثرات کا بیان اگر نہ ہو تو پھر تاریخ ادھوری رہ جاتی ہے کیونکہ روایات سے بھی روایت سازی میں مدد ملتی ہے۔ جب روایت قائم کرنا ہو تو روایات فہمی بہت ضروری ہے۔ دانشوروں نے روایت کو بھی تخلیقیت کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نہ صرف روایات کو بیان کرتے ہیں بلکہ روایات کے ادراک سے روایت سازی بھی قائم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ”تاریخِ ادب اُردو“ کی جلد دوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”تاریخِ ادب اُردو“ کی جلد دوم آپ کے سامنے ہے جسے پڑھنے والوں کی آسانی کی خاطر دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یہ جلد جو کم و بیش اٹھارویں صدی عیسوی کا احاطہ کرتی ہے اپنی جگہ مکمل بھی ہے اور اگلی پچھلی جلدوں سے پوری طرح مربوط بھی۔“(۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس صدی کے ادب کا بھی جائزہ لیتے ہیں اس صدی کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانی ترتیب سے اُردو

ادب کا جائزہ لے رہے تھے۔ جلد دوم جس صدی سے متعلق ہے ڈاکٹر جمیل جالبی اُس صدی کی صرف ادبی صورتِ حال کو بیان نہیں کرتے بلکہ اُس صدی کی سیاسیات، سماجیات اور روحانیت کا نقشہ بھی کھینچ دیتے ہیں۔ انسانی زندگی کے اِن پہلوؤں کو ادب سے مربوط کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ادب کے یہ عناصر محرکات ہیں اور ادب میں انسانی زندگی کے یہ تمام پہلو رواں دواں ہوتے ہیں۔ اس جلد میں اٹھارویں صدی عیسوی کے ادب کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی مزید کیا لکھتے ہیں ملاحظہ کریں:

> ''اُردو شاعری: رواج، کشمکش، اثرات، محرکات و میلانات کے پس منظر میں یہ بات ذرا دیر کو حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ عین اس دورِ انتشار میں جب عظیم مغلیہ سلطنت کے در و دیوار گر رہے ہیں اور معاشرہ زوال کی انتہائی پستیوں کو چھو رہا ہے اُردو ادب اور اس کی روایت کیسے ظہور میں آ گئی۔''(۵)

ڈاکٹر جمیل جالبی کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف تاریخ بیان نہیں کر رہے بلکہ اُردو شاعری کے پس منظر کو بھی بیان کر رہے ہیں اور بتانا چاہ رہے ہیں کہ اُردو شاعری دورِ انتشار میں پوری طاقت کے ساتھ وجود میں آئی۔ گویا سیاسی دور انتشار ادب کے لیے سنہری دور تھا۔ یہ ایک تحقیقی سے زیادہ تنقیدی رائے ہے۔ مغلیہ سلطنت کا دورِ زوال در حقیقت انسانی تاریخ کا ایک المیہ تھا۔ المیے چاہے ظاہری ہوں یا باطنی ادب کو جنم دیتے ہیں خصوصاً تخلیقی ادب میں شاعری کا موضوع بنتے ہیں، کسی بھی شاعری کی تفہیم اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک شاعری کا پس منظر خصوصاً المیاتی پس منظر سامنے نہ ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ شاعری کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے اُس عہد کا المیہ بیان کرتے ہیں۔ ''تاریخ ادبِ اُردو'' صرف ادب کی تاریخ نہیں رہ جاتی بلکہ انسانی کرب و بلا کی تاریخ بھی بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی کتاب ''تاریخِ ادبِ اُردو'' جلد سوم میں لکھتے ہیں:

> ''تاریخِ ادبِ اُردو'' کی تیسری جلد اب آپ کے سامنے ہے جو اپنی جگہ پر مکمل بھی ہے اور پچھلی جلد سے پوری طرح مربوط بھی۔ پہلی جلد آغاز سے ۱۷۵۰ء تک اُردو ادب و زبان کا احاطہ کرتی ہے۔ دوسری جلد ۱۸ ویں صدی کا احاطہ کرتی ہے اور یہ تیسری جلد ۱۸ ویں صدی کے ادب و زبان پر محیط ہے۔ قارئین کرام اس بات سے ضرور واقف ہوں گے کہ انیسویں صدی تخلیقِ ادب اور رواجِ زبان کے اعتبار سے اُردو کی سب سے بڑی صدی ہے۔ اس صدی میں اُردو زبان کے متعدد ادیب و شاعر دادِ تخلیق دے رہے ہیں اور اُردو زبان نہ صرف سارے ہندوستان کے گلی کوچوں میں سمجھی اور بولی جا رہی ہے بلکہ بادشاہ سے لے کر وزیر تک اور امیر سے لے کر فقیر تک سب یہ زبان بول رہے

ہیں۔ ''(٦)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس جلد میں ١٩ ویں صدی کا جائزہ لیا ہے جو ادب کے لیے ایک اہم صدی ہے کیونکہ اس صدی میں ادب کی تخلیق کے لیے زبان خاصی ترقی کر چکی تھی بلکہ زبان اُردو گلی کوچوں کی زبان بن چکی تھی۔ امیر و غریب اس زبان میں بات کرتے تھے۔ اس جلد کا پہلا باب اُردو شاعری، محرکات و رجانات اور روایت وغیرہ کے عنوان سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے محنت سے صرف ادب کے واقعات کو بیان نہیں کیا بلکہ محرکاتِ ادب کو بھی بیان کیا ہے۔ تخلیق کاروں کو کہاں کہاں سے تخلیقات کے لیے مواد میسر آیا ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ جلد اس لیے بھی اہم ہے کہ ایک پوری سیاسی تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ جب مغلیہ سلطنت روبہ زوال تھی تو اللہ کی قدرت کا ادراک ہو رہا تھا۔ اللہ جب چاہتا ہے تو سطوت اور شان سے نواز دیتا ہے اور جب انسان فرعونیت اور طاقت کا شکار ہوتا ہے تو اللہ وہ سطوت چھین لیتا ہے۔ ایسا ہی مغلیہ سلطنت کا ہوا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب انسانیت ذلت کا شکار ہو رہی ہوتی ہے تو ادب اِس کو محفوظ کر لیتا ہے۔ مغل کس طرح زوال پذیر ہوئے اِس کو شاعری میں شعرا نے کس طرح محفوظ کیا، ڈاکٹر جمیل جالبی نے تیسری جلد میں محفوظ کیا ہے اور شعرا کی تخلیقیت کو تنقیدی نظر سے محققانہ انداز میں بیان کر دیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب ''تاریخِ ادبِ اُردو'' جلد چہارم ١٩ ویں صدی کے نصف آخر کو بیان کرتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''غالب کی اُردو غزل کو دیکھا جائے تو اُنہوں نے غزل گوئی کی روایت کو قائم رکھا۔ غزل حسن و عشق کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ غالب نے اسے اسی دائرے میں اپنے مخصوص انداز کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ دیوانِ غالب کا مطالعہ کیجیے تو غزل کے عام موضوعات مثلاً عشق و ہجر، وصال، یاس و نااُمیدی، جور و جفا، معشوق کی بے وفائی، بے تابی، تمکین و ضبط، تسلیم و رضا، استقامت و بے زبانی وغیرہ غالب کے ہاں بھی آپ کو ملیں گے۔ محبوب کے حسن کے بیان میں بھی زلف، رخسار، لب، کمر اور قد وغیرہ کے حوالے نظر آئیں گے۔ رقیب کی روسیاہی، محبوب تک اس کی رسائی، عاشق کا رشک کی آگ میں جلنا، دیوانہ وار پھرنا اور اسی قسم کی روایتی باتیں آپ کو غالب کے ہاں بھی ملیں گی اور یوں معلوم ہو گا کہ نہ صرف غزل کی ظاہری فضاء اس میں قائم ہے بلکہ روایتی رموز و کنایات بھی پوری طرح موجود ہیں۔ ''(٧)

ڈاکٹر جمیل جالبی کی غالب سے متعلق اس رائے کو ملاحظہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی جلد چہارم محض تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک تنقید کی کتاب بھی ہے۔ غالب کے حوالے سے خصوصاً غزل کے حوالے

سے ان کی رائے سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ وہ غالب کی غزل کے عام موضوعات کو بھی بیان کرتے یں جو روایت سے تعلق رکھتے تھے مثلاً ہجر و وصال، نااُمیدی، معشوق کی بے وفائی، عاشق کا رشک کی آگ میں جلنا اور تسلیم و رضا کے موضوعات۔ غالب کی غزل کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب روایت سے تعلق قائم رکھتے ہوئے منفرد موضوعات سخن کو بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے غالب کی روایت پسندی پر بات کی ہے۔ ان کے نزدیک غالب نے غزل کی روایت کو قائم رکھا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر غالب نے فکر و فلسفہ کو بھی اُردو شاعری میں پہلی مرتبہ بیان کیا ہے اور انسانی نفسیات کو بھی بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے غالب کی فارسی شاعری پر تفصیلی مقالہ تحریر کیا ہے۔ غالب کی فارسی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”مرزا غالب ان تمام نامور شعرائے فارسی کے کلام سے گہری واقفیت رکھتے تھے جنھوں نے فارسی شعر و ادب میں تخلیقی سطح پر کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ ان سب کے اثرات ان کے زبان و بیان پر نظر آتے ہیں اور ان میں انوری، عرفی، خاقانی، طالب آملی، ظہوری، نظیری، علی حزیں اور بیدلؔ وغیرہ وغیرہ کو وہ استاد مانتے تھے۔ بیدل کا ان کی شاعری پر گہرا اثر ہے اور وہ اس لیے بھی بیدل اور غالب کے مزاج کی بہت سی خصوصیات مشترک ہیں۔ مفکرانہ و حکیمانہ نظر اور تصوف سے لگاؤ میں دونوں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں۔ دونوں رجائی خیال کے دل دادہ ہیں۔ دونوں کے لیے زندگی ایک عزم و استقلال کا نام ہے اور قصیدہ گوئی میں وہ عرفی سے حد درجہ متاثر ہیں۔ دونوں میں جدت طبع بھی تھی اور خود پرستی و خود ستائی بھی۔ مضمون آفرینی بھی دونوں کے مزاج میں شامل تھی۔ لیکن ان سب اثرات کے باوجود اپنی جدّتِ طبع و ذکاوت سے ان تمام اثرات سے بالاتر ہو کر نکل گئے اور اپنا الگ رنگ بنایا۔“(٨)

غالب جن شعراء سے متاثر تھے ان میں بیدلؔ اہم ہیں۔ بیدلؔ اور غالبؔ میں مشکل پسندی، فکر و فلسفہ اور حکیمانہ انداز نظر مشترک ہے۔ دونوں کا انداز ایک ہے۔ غالب کی غزل کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب روایت سے تعلق قائم رکھتے ہوئے منفرد موضوعات سخن کو بیان کرتے ہیں۔ غالب بے شک ایک مفکر شاعر بھی تھے اور ان کی شاعری کو سماجی پس منظر کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے اور اسی حوالے سے غالب کی تفہیم کے نئے نئے دروازے کھلتے رہتے ہیں۔ غالب کے کچھ المیے ذاتی تھے اور کچھ آفاقی تھے۔ ذاتی المیوں میں معاشی پریشانیاں اور حالات کی ستم ظریفیاں تھیں۔ غالب ایک ترک تھے اور ترکوں کو اپنی ذات کا بہت احساس ہوتا ہے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بلند اور بالا سمجھتے تھے۔ اُن کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ جاگیر دار اور اعلیٰ فوجیوں کا خاندان تھا۔ گھڑ سواری اُن کی شان تھی مگر انگریزوں کے آنے کے

ساتھ سے یہ سب کچھ چھن گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ شدید مالی پریشانیوں کا شکار تھے پھر اُن کی شادی بھی نوابوں کے خاندان میں ہوئی تھی۔ اُن کے ہاں وہ کمتری کا احساس رکھتے تھے مگر دوسری طرف مغلوں کا زوال اُن کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ ایک وقار اور تمکنت کو زوال کا شکار دیکھ رہے تھے۔ اس لیے اُن کی شاعری میں فکر و فلسفہ موجود ہے۔ گہرے غور و فکر کے ساتھ تمکنت بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جلد چہارم میں اِن واقعات کو جوڑ کر غالب کا جس انداز میں ذکر کیا ہے، وہ اِن کا ہی کام تھا۔ غالب کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے سے معلوم ہو گیا کہ انہوں نے تاریخ کے ساتھ تنقید کو بھی بیان کیا ہے جس سے ادب کو فروغ ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی محض محقق و مؤرخ نہیں تھے بلکہ اپنی دوسری کتابوں سے ان کی تنقیدی حیثیت کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے تاہم ان کی کتاب "تاریخِ ادبِ اُردو"، اُردو ادب میں ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اُردو قدیم دور (آغاز سے ۱۷۵۰ء تک، جلد اوّل، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جنوری ۱۹۸۴ء، ص:ز

۲۔ ایضاً، ص:ح

۳۔ ایضاً، ص: ۵۹۰

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اُردو (اٹھارویں صدی)، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب کلب روڈ، طبع چہارم، جنوری ۲۰۰۵ء، ص: ۱۱

۵۔ ایضاً، ص: ۲۰

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اُردو (انیسویں صدی: نصف اوّل)، جلد سوم، لاہور: مجلس ترقی ادب کلب روڈ، طبع اوّل، جون ۲۰۰۶ء، ص: ۱۵

۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد چہارم، لاہور: علی پرنٹرز، ص: ۱۱۴

۸۔ ایضاً، ص: ۱۶۴-۱۶۵